شذرات

سید منظور الحسن

تصویر اور آرائش سے اجتناب ـــــ ایک روایت کا مطالعہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.org

صحیح مسلم کی روایت، رقم ۲۱۰۷ کے مطابق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ہمارے ہاں (گھر کے دروازے پر) ایک پردہ (لٹکا ہوا) تھا جس پر پرندے کی تصویر تھی۔ گھر میں داخل ہونے والا کوئی شخص جب داخل ہوتا تو اس (پردے) کو اپنے سامنے پاتا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب گھر میں تشریف لاتے تو آپ کی نظر اس پر پڑتی)۔ پھر (ایک موقع پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اس (پردے) کو (یہاں سے) ہٹا دو، میں جب بھی گھر داخل ہوتے ہوئے اسے دیکھتا ہوں تو مجھے دنیا یاد آ جاتی ہے... (سیدہ فرماتی ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسے (ہٹانے ہی کا حکم دیا) پھاڑ دینے کا حکم نہیں دیا۔

اس روایت کو بعض اوقات تصویر کی ممانعت اور زیب و زینت کی چیزوں سے اجتناب کے لیے بطور استدلال پیش کیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ استدلال محل نظر ہے۔ جہاں تک تصویر کا تعلق ہے تو اس روایت سے ممانعت کے بجاے اباحت کا تاثر نمایاں ہوتا ہے۔ روایت کے حسب ذیل پہلو اس بات کی دلیل ہیں:

اولاً، تصویر اگر ناجائز ہوتی تو یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ کے ہاں معلوم و معروف ہوتی اور کوئی شخص بیت النبی پر تصویر والا پردہ لٹکانے کی جسارت نہ کرتا۔

ثانیاً، اگر ایسا ہو بھی جاتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی نظر ہی میں پردہ اتروا دیتے اور اس میں سے ایک سے زائد بار گزرنا گوارا نہ کرتے۔

ثالثاً، آپ اپنے حکم کو پردہ اتارنے تک ہی محدود نہ رکھتے، بلکہ اسے قطع بھی کرا دیتے تاکہ تصویر باقی نہ رہے۔

اس توضیح سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کو ممنوع یا غیر مباح قرار نہیں دیا اور نہ اسے کسی حرام شے سے وابستہ کیا ہے، بلکہ اس کے برعکس تصویر والے پردے کو دنیا سے متعلق کر کے تصویر کی اباحت کی تصدیق فرما دی ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ پردے پر تصویر کا نقش درحقیقت اس کے مزین ہونے کی علامت ہے۔عربوں کے ہاں گھروں کی آرایش و زیبایش کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ لوگ انسانوں اور حیوانوں کی تصویروں والے منقش پارچہ جات کو دیواروں، طاقوں اور دروازوں پر آویزاں کرتے تھے۔ ''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' میں ڈاکٹر جواد علی لکھتے ہیں:

''بعض اہل مکہ اور حجاز کے دوسرے تمام علاقوں کے لوگ اپنے گھروں میں تصویریں اور مجسمے رکھتے تھے ...اور ایک گروہ درزیوں اور بافندوں کا تھا جو پردوں اور ملبوسات کو منقش کرنے کے لیے ان پر انسانوں اور جانوروں کی تصویریں بنایا کرتا تھا...زمانۂ جاہلیت کے لوگ اپنے گھروں کی آرایش تصویروں سے اور ایسے کپڑوں سے کرتے تھے جن پر تصویریں بنی ہوتی تھیں۔اسی طرح وہ تصویروں والے پردے استعمال کرتے تھے۔'' (۸۸،۸۳/۸)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس تناظر میں یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ''اس پردے کو دیکھنے سے مجھے دنیا یاد آ جاتی ہے''، تصویر سے نہیں، بلکہ زیب و زینت اور تزیین و آرایش سے متعلق ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سرتاسر من جملۂ مباحات ہیں اور الہامی شریعتوں نے انھیں کبھی ممنوع قرار نہیں دیا، مگر اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے اسالیب جب حد اعتدال سے متجاوز ہو جائیں تو یہی مباحات نمود و نمایش اور فخر و استکبار کا مظہر بن جاتے اور انسان کو آخرت سے غافل کر کے دنیا پرستی کی طرف راغب کر دیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی ان میں مستغرق ہونے اور انھیں اوڑھنا بچھونا بنا لینے کو ناپسند کرتے ہیں۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے رغبات دنیا کو اصلاً جائز قرار دیا، انھیں اوڑھنا بچھونا بنا لینے کو ناپسند کیا اور اپنے طبعی میلان اور منصبی ذمہ داریوں کی وجہ سے اپنی ذات کی حد تک ان سے بالعموم گریز ہی کا رویہ اختیار کیا۔اپنے اہل خانہ کو بھی آپ نے اسی رویے کی تلقین کی۔ چنانچہ اسی طرح کے ایک منقش پردے کو جب آپ نے اپنی صاحب زادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر لٹکے ہوئے دیکھا تو اسے ناپسند فرمایا اور کسی ضرورت مند کو دے دینے کا حکم دیا:

''ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک روز) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تک

آئے، مگر گھر میں داخل نہیں ہوئے (اور واپس تشریف لے گئے۔ سیدہ کو یہ معلوم ہوا) تو جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ آئے تو انھوں نے ان سے اس کا ذکر کیا۔ سیدنا علی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس کا سبب) معلوم کیا۔ آپ نے فرمایا: میں نے اس کے دروازے پر منقش پردہ دیکھا تھا۔ پھر فرمایا: میرا دنیا سے کیا تعلق۔ پھر سیدنا علی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انھیں یہ بات بیان کی۔ انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں جو چاہتے ہیں، مجھے حکم دیں۔ (سیدہ کی یہ گزارش جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو) آپ نے فرمایا: اسے فلاں گھر والوں کے پاس بھجوا دو، وہ ضرورت مند ہیں۔'' (بخاری، رقم ۲۶۱۳)

مسلم کی مذکورہ روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کا سبب اگر طبعی میلان اور منصبی ذمہ داریوں کو تصور نہ کیا جائے تو آرایش و زیبایش سے آپ کا ابا کرنا دینی عمل قرار پاتا اور اس اعتبار سے لائق اتباع اسوۂ حسنہ کے زمرے میں شامل ہوتا ہے۔ زیب و زینت سے گریز کو دینی عمل تصور کرنا چونکہ قرآنی نصوص، بعض دیگر انبیا کے طرز عمل اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض دوسرے اعمال سے متعارض ہے، اس وجہ سے قرین قیاس یہی ہے کہ منقش پردے کو اتار دینے کا حکم ایک اعتبار سے آپ کی ذاتی پسند و ناپسند کا مظہر اور ایک پہلو سے آپ کی منصبی ذمہ داریوں میں یکسوئی کا آئینہ دار ہے۔

اس تنقیح سے ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ گریز آپ کے طبعی میلان اور منصبی ذمہ داریوں کے تناظر میں ہے تو پھر سیدنا مسیح اور سیدنا یحییٰ علیہما السلام کے دنیا کی لذتوں سے اس کنارہ کشی کے کیا معنی ہیں جس کا حوالہ خود قرآن مجید نے دیا ہے؟

ہمارے نزدیک اس کا سبب بھی ان انبیا کی منصبی ذمہ داریاں ہی ہیں۔ استاذ گرامی جناب جاوید احمد صاحب غامدی سورۂ آل عمران کی آیت ۳۹ کی تفسیر میں اسی پہلو کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''اِس کنارہ کشی کی وجہ یہ تھی کہ یحییٰ و مسیح، دونوں بنی اسرائیل پر عذاب سے پہلے آخری اتمام حجت کے لیے آئے تھے۔ وہ اُس بستی میں گھر کیا بناتے جو سیلاب کی زد میں تھی اور اُس درخت کی بہار کیا دیکھتے جس کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا ہوا تھا۔ ایک ایک دروازے پر دستک دے کر لوگوں کو آنے والے طوفان سے خبردار کرنے والے اپنا گھر بسانے اور اپنا کھیت اگانے میں لگ جاتے تو اپنے فرض سے کوتاہی کے مرتکب قرار پاتے۔ چنانچہ دونوں نے تجرد و انقطاع کا طریقہ اختیار کیا، قوت لایموت پر اکتفا کی، درویشوں کا لباس پہنا اور زمین و آسمان ہی کو چھت اور بچھونا بنا کر زندگی بسر کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ نصاریٰ کی بدقسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اِن جلیل القدر

www.javedahmadghamidi.org

پیغمبروں کی اِس منصبی ذمہ داری کو سمجھنے کے بجاے اُنھوں نے اِسے رہبانیت کا رنگ دیا اور پھر اِسی کو دین کا اصلی مطالبہ قرار دے کر رہبانیت کا ایک پورا نظام کھڑا کر دیا۔ ہمارے ہاں بھی صوفیوں نے پیغمبروں کی زندگی میں اِسی طرح کی بعض چیزوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے اجنبی تصورات دین میں داخل کر دیے ہیں اور اب گذشتہ کئی صدیوں سے علما کو بھی اُن سے متاثر کر لینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔'' (البیان ۱/ ۳۴۶)

تنقید

کسی مضمون پر تنقید اصلاً ایک مثبت عمل ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں علم و دانش کے نئے دریچے کھلتے ہیں۔ اگر کوئی بات مصنف کے سہو یا سوءِفہم کے نتیجے میں غلط طور پر بیان ہو گئی ہو تو اس کا امکان ہوتا ہے کہ وہ تنقید کی روشنی میں اپنی تالیف پر نظر ثانی کرے گا۔ چنانچہ یہ بات بالکل بجا ہے کہ تنقید وہ زینہ ہے جس پر علم اپنے ارتقا کی منزلیں طے کرتا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ علمی ارتقا کی خدمت کا فریضہ صرف اور صرف وہی تنقید انجام دیتی ہے جس میں مصنف کا نقطۂ نظر تعصب سے بالاتر ہو کر پوری دیانت داری سے سمجھا گیا ہو اور بے کم و کاست بیان کیا گیا ہو، جس میں مصنف کے محرکات طے کر کے انھیں ہدف تنقید بنانے کے بجاے اس کے استدلال کے نکات کو متعین کر کے ان پر تنقید کی گئی ہو، جس میں ضمنیات کو نمایاں کر کے ان پر مباحث لکھنے کے بجاے اساسات کو بنیاد بنا کر ان پر بحث کی گئی ہو اور جس میں الزام تراشی، دروغ گوئی اور دشنام طرازی کے بجاے سنجیدہ اور شایستہ اسلوب بیان میں اپنی بات سمجھائی گئی ہو۔ اگر کوئی تنقید ان معیارات پر پوری نہیں اترتی تو صاف واضح ہے کہ وہ علم کی ترقی میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتی۔ علم کی دنیا میں اس کی حیثیت محض رطب و یابس کی ہوتی ہے اور اصحاب علم و دانش اس سے اعتنا برتنے کو بھی غیر علمی رویے پر محمول کرتے ہیں۔

تقلید

ہمارے ہاں عام طور پر مذہبی معاملات میں تقلید کو بطور اصول اختیار کیا جاتا ہے اور یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ اگر کسی